Open Access
Al-Marjān Research Journal
ISSN(E): 3006-0370
ISSN(P): 3006-0362
al-marjan.com.pk

Problems encountered in the application of laws and their remedies: An analytical study in the light of Islamic teachings

قوانین کے اطلاق میں درپیش مسائل اور ان کا تدارک: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Authors Details

1. **Dr. Moazzam Ali (Corresponding Author)**
   Lecturer, College Teaching Intern (CTI), Government Graduate College Civil Lines, Sheikhupura, Pakistan. **alimoazzam91@gmail.com**

Citation

Ali, Dr. Moazzam. " Problems encountered in the application of laws and their remedies: An analytical study in the light of Islamic teachings." *Al-Marjān Research Journal*, 2, no.3, Oct-Dec (2024): 514– 532.

Submission Timeline

Received: Sep 26, 2024
Revised: Oct 16, 2024
Accepted: Nov 08, 2024
Published Online: Nov 24, 2024

Publication, Copyright & Licensing

Article QR

Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan.

All Rights Reserved © 2023.
This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

INDEX COPERNICUS INTERNATIONAL
INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE
HJRS HEC Journal Recognition System

Problems encountered in the application of laws and their remedies: An analytical study in the light of Islamic teachings

قوانین کے اطلاق میں درپیش مسائل اور ان کا تدارک: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر معظم علی☆

Abstract

The effective implementation of laws is a cornerstone of justice, equality, and the stability of any society. Despite robust legislation, numerous barriers hinder the practical application of legal provisions, leading to widespread societal dissatisfaction and injustice. This analytical study explores these challenges through the lens of Islamic teachings, aiming to identify the root causes and propose meaningful remedies. Among the key issues discussed are ambiguity in legal language, inconsistent enforcement, institutional inefficiencies, political interference, and lack of public legal literacy. The research argues that these obstacles not only weaken the rule of law but also erode public trust in the justice system. Drawing upon foundational principles of Islamic jurisprudence (Fiqh), such as *ʿAdālah* (justice), *Maṣlaḥah* (public interest), *Shūrā* (consultation), and *Istiṣlāḥ* (reform), this paper demonstrates that Islamic law is both comprehensive and adaptable. It emphasizes that the ethical framework of Shariah encourages equitable governance, transparency, and accountability. The study suggests that meaningful legal reform in Muslim societies must incorporate both procedural efficiency and moral consciousness, as reflected in Islamic traditions. Moreover, an inclusive approach involving public engagement, institutional restructuring, and judicial integrity is essential for resolving these systemic issues. This paper contributes to the ongoing discourse on law enforcement by offering an Islamic analytical perspective on how the gap between law-making and its application can be bridged for the betterment of society.

Keywords: Justice, Legal Implementation, Shariah, Accountability, Islamic Jurisprudence.

تعارف موضوع

قانون ! اصول، ضابطہ ایک مجوزومرتب اور منظم ہدایات کے مجموعے کے ہی متفرق نام ہیں، جنہیں معمولاتِ حیاتِ انسانی کو احسن انداز میں سرانجام دینے کے لیے بروئے کار لایا جاتا ہے۔ عمومی طور پر اس کے بھی دو پہلو بیان کیے جاسکتے ہیں۔ اول ! قانون سازی اور دوئم اطلاقی پہلو۔ قانون سازی کے پہلو کو زیر غور لایا جائے تو چاہئے ایک فرد ہو، سماج ہو یا فرد و سماج کی اصلاح کے لیے اپنائے گئے سیاسی قواعد و ضوابط ہوں، تبھی دیرپا اور مثبت اثرات مرتب کرسکتے ہیں جب اصول و ضوابط میں یکسانیت پائی جاتی ہو، جس طرح فطری طور پر تمام نسل انسانی کو مساوی شمار کیا جاتا ہے، بعینہ قوانین بھی یکساں نوعیت واہمیت کے متحمل ہونے چاہیے، موم کی ناک کی مانند لچکدار نہیں ہونے چاہیے کہ جو صاحبِ اختیار واقتدار ہو وہ تو آسانی سے اُن میں موجود موشگافیوں سے مستفید ہوسکے اور جس کے دائرہ کار میں سوائے دعاؤں، التجاؤں اور چند

☆ لیکچرر، گورنمنٹ گریجویٹ کالج سول لائنز، شیخوپورہ، پاکستان۔

سطحی درخواستوں کے کچھ بھی نہ آتا ہو وہ قانون کی خود ساختہ رہداریوں میں الجھا رہے لہذا قوانین کے اطلاقی پہلو کو زیر بحث لاتے ہوئے اس جہت پر تجزیاتی رائے مندرج ہے۔

دوسری جہت اطلاقی پہلو سے متعلق ہے کہ یکساں نوعیت کی قوانین سازی بھی کر لی جائے تو عملی مظاہرہ میں وہ قوانین اس قدر بہتر نتائج نہیں دے پاتے جس قدر توقع اور امید باندھی گئی ہوتی ہے لہذا یہ پہلو اول الذکر سے بھی زیادہ باعث تشویش ہوتا ہے کہ جو قانون سطور کی صورت میں صفحات کتب پر موجود ہے وہ مثبت و تعمیری طور معاشرتی زندگی کا جزو کیوں نہیں بن پاتا؟ اس نقطہ نظر کی آسان تفہیم کے لیے سماجی ساخت کو سمجھنا لازمی امر خیال کیا جاتا ہے تاکہ مسائل کے تدارک کے لیے بنیادی وجوہات کو واضح کیا جاسکے اور مستقبل کے لیے لائحہ عمل مرتب کیا جاسکے۔

جیسا کہ مشاہدہ عام ہے کہ فرد، معاشرے کی اکائی ہے اور خاندان، سماج کی پہلی اینٹ۔ اگر اکائی کی پرورش و تربیت میں نقائص رہ جائیں گے تو معاشرہ کبھی بھی بہتر طور پر پروان نہیں چڑھ سکتا اور اسی طرح خاندانی زندگی کا ڈھانچہ تخریب کاری کا شکار رہے گا تو سماج کبھی بھی روشن مستقبل کی نوید نہیں بن سکتا۔ لہذا فرد ہو یا سماج، دونوں کی اصلاح احوال کے لیے بہتر سیاسی امور کی اشد ضرورت ہے اور بعد ازاں اُن سیاسی امور کی بھی تنقیدی آراء سے کانٹ چھانٹ کی جانی چاہیے تاکہ زمانوی لحاظ سے ہم آہنگی پیدا کی جاسکے۔ لہذا پیش نظر مقالہ میں مذکورہ بالا جہات ثلاثہ کو سپردِ قلم کیا جائے گا اور کوشش کی جائے گی کہ ایک معتدل اور مفید تحریر منصہ شہود پر وجود پا سکے۔

مبحث اوّل: انفرادی سطح پر درپیش مسائل اور ان کا تدارک

قوانین! کسی بھی مہذب معاشرے کی بنیاد ہوتے ہیں جو انصاف، امن اور نظم وضبط کو قائم رکھتے ہیں۔ پاکستان میں اگرچہ ایک مکمل قانونی ڈھانچہ موجود ہے، لیکن عام افراد کو ان قوانین سے فائدہ حاصل کرنے اور انصاف تک رسائی میں کئی رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ ان مسائل کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی ممکن ہے، جو عدل، مساوات اور دیانت داری پر مبنی اصول فراہم کرتی ہیں۔ درجہ ذیل میں انفرادی سطح پر موجود مسائل کا ذکر کیا جارہا ہے۔

ا۔ عدل ونظام عدل سے منسلک مسائل

فرد کو درپیش مسائل میں سے ایک اہم مسلہ نظام عدل بھی ہے کہ جہاں انسان اپنی خاندانی و سماجی الجھنوں اور پریشانیوں کو منصفانہ انداز میں سلجھانے کے لیے رجوع کرتا ہے وہیں سب سے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ معاشرتی سطح پر پیدا ہونے والے مصائب و جھگڑوں سے جب کسی فرد کا واسطہ پڑتا ہے تو شنوائی اور انصاف کے لیے عدالت کا دروازہ ہی کھٹکٹایا جاتا ہے لیکن پیش آمدہ مسائل میں سب سے بڑی الجھن نظام عدل میں موجود قانونی موشگافیوں کی ہے جس سے عام شہری عمومی طور پر نابلد ہوتا ہے اور اگر ان سے واقفیت بھی ہو تو وکیلوں کی بھاری بھرکم فیسیں ہی اس کا بھرکس نکال دیتی ہیں اور ستم بالاستم یہ بھی کہ طویل المدتی عدالتی سماعتوں کے باوجود بھی منصفانہ فیصلہ آنے کی توقع قائم رکھنا سائل کے لیے ممکنات میں سے نہیں ہوتا جس کے سبب عصر حاضر میں اکثریت کا اعتماد نظام عدل سے اٹھ چکا ہے جو کہ فرد کے مسائل میں مزید اضافہ کرنے کا سبب بنتا جارہا ہے اور بالآخر سائل تنگ ہو کر دیگر جرائم کی طرف راغب ہونے لگتے ہیں کیونکہ جہاں قانون کی گرفت میں آنا مشکل تر ہے وہیں قانونی سزاوؤں سے بچنا آسان ترین عمل بنا دیا گیا ہے لہذا فرد کی فکری تربیت ایسی ہو چکی ہے کہ قانون کی پکڑ کا خوف اس کے وہم وگمان سے محو ہو چکا ہے اور اگر کہیں قانون حرکت میں آتا دیکھائی بھی دے تو دیگر ذرائع اس کی دلجوئی کرنے کے لیے ہمہ وقت موجود ہوتے ہیں جن کے بل بوتے پر وہ تادیر قوانین کا اطلاق کرنے والوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل سکتا ہے تو بنیادی مسائل میں عدل ونظام عدل کا شفاف نہ ہونا بھی شامل ہے جو کہ دیگر مسائل کو پیدا کرنے کا سبب بنتا جارہا ہے جبکہ اسلامی تعلیمات میں واضح احکامات موجود ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ [1]

بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے

[1]. Al-Naḥl, 16:90.

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْاؕ-اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى[2]

اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ تم انصاف نہ کرو (بلکہ) انصاف کرو، یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے.

لہذا تمام شہریوں کے لیے نظام عدل کو مساوی طور پر دستیاب ہونا چاہیے اور درخواست گزار کے ساتھ ساتھ ملزم کو بھی یہ ذہن نشین ہونا چاہیے کہ جب تک وہ کسی جرم کا ارتکاب نہیں کرے گا عدالت مجھے بے گناہ ہی تصور کرے گی اور ناحق مجھے سزا نہیں دی جائے گی اور اسی طرح درخواست گزار کو بھی کڑے احتساب کا خوف ہونا چاہیے کہ گر کسی فرد کے خلاف ناحق اپیل دائر کی گئی تو اسے بھی سخت سزا ہونے کا اندیشہ موجود ہے لہذا تمام تر احتیاطی تدابیر کو بروئے کار لاتے ہوئے خود سے یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ کسی ناحق کے ساتھ ظلم نا کیا جاسکے، تبھی ہر شہری خود کو مطمئن محسوس کرے گا اور نظام عدل پر اس کا یقین پختہ ہوتا جائے گا کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِؕ[3]

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچا دو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

لہذا عدالتی احکامات پر فوری عمل کے لیے ایک مضبوط نظام بنایا جائے تاکہ نہ صرف عدل ہو بلکہ عملی طور پر ہوتا دیکھائی بھی دے۔

۲۔ طویل اور پیچیدہ قانونی عمل

فرد کو درپیش دوسرا اہم مسلہ ملکی سطح پر رائج نظام قانون ہے جو کہ بے حد طویل اور گنجلک ہونے کے سبب ہر شہری کی پہنچ سے بہت دور ہے یا وہ اس نظام سے نالاں ہے جس کے باعث وہ اسے قابل اعتماد نہیں سمجھتا۔ ایک سائل کو خود سے جڑے ہوئے کسی بھی چھوٹے سے مسلہ کے بارے میں حکومت کی طرف سے قائم کردہ اداروں سے مدد کی ضرورت پیش آجائے اور وہ ادارے بغیر کسی سفارش یا پراسسنگ فیس کے اس مسلہ کو حل کر دیں ایسا صرف سماجی علوم کی کتب میں درج عبارات میں ممکن ہوتا دیکھائی دے سکتا ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس منظر کی ہی عکاسی کرتی ہوئے نظر آتی ہے۔

عام شہری کو ضروریات زندگی کے لیے پانی کا کنکشن لگوانا ہو، بجلی کا نیا میٹر یا تبدیل کروانا ہو، گلی و محلے میں موجود شر پسند عناصر سے خود کو محفوظ کرنا ہو یا اُن کے بارے میں حکام بالا کو اطلاع دینی ہو، ادویات کے حوالے سے شکایت ہو یا زہریلی خوراک کے متعلق رپورٹ درج کروانی ہو، حتیٰ کہ سرکاری سکول تو کجا وہ پرائیویٹ سکول جس کی بھاری بھر کم فیسیں والدین ادا کرتے کرتے اُن کی کمر ٹوٹ جاتی ہے انہی کے نامناسب رویے کے بارے میں اسکول کے سٹاف سربراہ سے گلہ کرنا ہو تو خود کی عزت نفس کو محفوظ رکھ کر اِن میں سے کسی بھی کام کو سر انجام عام بشر کے بس کی بات نہیں۔ وہ مسلہ کہ جس کو سائل لے کر مطلوبہ مقتدرہ کے پاس گیا ہو گا وہ جوں کا توں موجود ہو گا، سائل دیگر کئی مسائل میں پھنس جائے گا جن میں معاشی سرگرمیوں کا متاثر ہونا، جسمانی و ذہنی کوفت میں مبتلا ہونا اور گھریلو زندگی سے جڑے معاملات میں بگاڑ کا پیدا ہو جانا ادنیٰ مسائل شمار کئے جاسکتے ہیں لہذا قوانین کے اطلاق میں یہ پہلو بھی ایک سنجیدہ غور و فکر کا متقاضی ہے کیونکہ ہر فرد رویوں سے تنگ آکر خود کی ذات کو محفوظ رکھنے کی خاطر چاروناچار دیگر ذرائع کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے جو کئی اور مسائل کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ لہذا فرامین رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں رہنمائی حاصل کی جائے تو صراطِ مستقیم کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ

یَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا[4]

---

[2] . Al-Māʾida, 5:8.

[3] . Al-Nisāʾ, 4:58.

[4] . Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl, *Al-Jāmiʿ al-Bukhārī* (Miṣr: Al-Sulṭāniyya bil-Maṭbaʿa al-Kubrā al-Amīriyya, 1311 AH), kitāb al-ʿIlm, 1:25, ḥadīth 69.

آسانیاں پیدا کرو اور انہیں مشکل نہ کرو اور خوشخبری دو اور لوگوں کو متنفر نہ کرو۔

پس واضح ہوا کہ افراد معاشرہ کو قانون کی پیروی کرنے کی طرف مائل کرنا ہے تو قانونی کارروائی کو سادہ، تیز اور عام فہم بنایا جائے تاکہ ہر شہری کا اعتماد بحال ہو اور قانون کو خود کا نگہبان سمجھنے لگے نہ کہ گردن کا طوق جس سے جان خلاصی کروانا ہی زندگی کی کامیابی گردانے جائے۔

۳۔ بدعنوانی اور رشوت خوری کا بڑھتا رجحان

بدعنوانی اور رشوت کسی بھی فرد کی زندگی، سماجی اخلاقیات اور قومی و ملکی قوانین کے لیے ناسور کے جیسی حیثیت رکھتیں ہیں جو آہستہ آہستہ تمام فریقین کو تباہی و بربادی سے ہمکنار کر دیتی ہیں، ان کی موجودگی میں انصاف کا بول بالا ہونا، اخلاقیات کی اعلیٰ امثال قائم کرنا اور شفافیت کو نظام کی جڑوں میں سرایت کروا دینا ممکنات میں سے نہیں۔ بظاہر صحت و توانا نظر آنے والا وجود انہی کے سبب کینسر جیسے جان لیوا مرض میں مبتلا ہوتا ہے اور اگر بروقت تشخیص نہ ہو پائے تو منوں مٹی سے ملاقات چند قدم کے فاصلے پر رہ جاتی ہے۔

بدعنوانی اور رشوت جن افراد کی زندگیوں کا لازمی جزو بن جاتی ہے ان میں ایمانداری کو پروان چڑھانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے کیونکہ وہ سب کے سب خود کو ایک ایسے خول میں بند کر لیتے ہیں کہ جس کے اندر انہیں سب کچھ درست اور محفوظ نظر آتا ہے اور خول کے باہر نارِ جہنم کی مثل دنیاوی مصائب "ھل من مزید" کا نعرہ لگاتے ہوئے منہ کھولے کھڑے ہوتے ہیں کہ جونہی وہ خول ٹوٹا پہاڑ جیسی آفتیں اُن پر آن گریں گیں جبکہ حقیقت میں وہ خوفناک انجام کی طرف رفتہ رفتہ بڑھ رہے ہوتے ہیں جس سے آخرکار ان کا سامنا ہو گا اور وہ انجام ان کی توقعات سے بڑھ کر بھیانک روپ دھارے ہو گا لیکن تب بچھتائے کیا ہوت۔ جب چڑیاں چگ گئی کھیت۔ لہذا کوئی بھی محکمہ ہو انہیں اسلامی اصولوں کو مدِ نظر رکھنا چاہیے اور ارشاد باری تعالیٰ کو ہمہ وقت ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ[5]

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔

لہذا نظام احتساب کی گرفت بلا تفریق فرد و معاشرہ سبھی کے لیے یکساں اور شفاف ہونی چاہیے جس کے لیے مختلف طریقہ کار وضع کیے جاسکتے ہیں جن کے ذریعے ہر سطح پر موجود کرپٹ اہلکاروں کے خلاف سخت قانونی کاروائی عمل میں لاکر قرار واقعی سزائیں دی جائیں اور دوسروں کے لیے مثال قائم کی جائے تاکہ عبرت حاصل ہو سکے۔

۴۔ قوانین کے متعلق آگاہی کا فقدان

علم! ایک روشنی ہے جو اندھیروں کو دور کرتی ہے، علم! ایک دولت ہے جو فکر کو راحت بخشتی ہے۔ علم! ایک طاقت ہے جو کمزور وناتواں نظر آنے والے وجود کو بڑے سے بڑے متکبر صاحب اقتدار کے سامنے کلمہ حق کہنے پر آمادہ کرتی ہے اور علم ایک کھیت کی مانند ہے جو نسلوں کو زرخیزی فراہم کرتی ہے اور کبھی بھی بنجر نہیں ہوتی لہذا علم ہی واحد کلید ہے جس سے روشن و بہتر مستقبل کا در وا کیا جاسکتا ہے اور قوم و ملک کو ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن کیا جاسکتا ہے لیکن افسوس صد افسوس! کہ عصر حاضر میں بھی کچھ اقوام اسی پہلو سے غفلت برتنے میں ہمعصر اقوام سے مقابلہ بازی کرنے میں جتی ہوئی ہیں کہ جہالت میں ممتاز مقام حاصل کرنے میں کون سبقت لے جاتا ہے؟ کچھ علاقوں میں کلی طور پر علم کے حصول کے لیے کوشش نہیں کی جاتی اور کچھ علاقوں میں صرف رسمی تعلیم کو ہی برتر تسلیم کر لیا گیا ہے اور اس میں بھی تعلیم نسواں شمار نہیں کی جاتی جبکہ کچھ علاقوں میں عصری علوم پر دسترس حاصل کر لینے کو ہی زندگی کا سنگ میل بنا لیا گیا ہے کہ جب یہ کامیابی سے طے کر لیا تو باقی جہات کی طرف رجحان رکھنا کارِ بیکار است۔

جبکہ دورِ حاضر میں کثیر الجہات علوم پر کامل دسترست رکھنے سے ہی کامیابی کی کلید ہاتھ لگتی ہے کیونکہ دنیا ایک گاؤں کی حیثیت اختیار کر چکی ہے جس میں مختلف نسلوں اور اقوام سے ہمہ وقت واسطہ پڑنے کا رجحان غالب ہوتا جا رہا ہے تو کوئی فرد خود کو صرف ایک زبان یا ثقافت تک محدود رکھے اور باقی ماندہ سے کوتاہی برتے تو اس ماحول میں استقرار رکھنا ممکنات میں سے نہیں۔ یہ تمام کدوکاوش تو اس فرد کے لیے ہے جو جدید دور کے

[5] . Al-Baqara, 2:188.

تقاضوں سے نبرد آزما ہونا چاہتا ہے جبکہ ہمارے معاشرے کا علمی لحاظ سے تناسب نکالا جائے تو اکثریت علم سے متنفر نظر آتی ہے یا کہیں خال خال سند کے حصول کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے دیکھائی دیتے ہیں تا کہ ملازمت کے حصول میں درپیش رکاوٹ کو دور کیا جا سکے جبکہ علم کو بطور علم حاصل کرنا اور اس سے ماسوائے ملازمت کے استفادہ کرنے کا رحجان یہاں کم ہی دیکھائی دیتا ہے اور یہ عنصر قانونی لحاظ سے پرکھا جائے تو تناسب شائد صفر کی سطح تک گر جائے کیونکہ قانون کو پڑھنا اور پھر اسے روزمرہ معمولات کا حصہ بنانا یہاں بیکار امر قرار دیا جاتا ہے لہذا قانونی لحاظ سے عام آدمی کو آگاہی حاصل نہیں ہے جو کہ قوانین کے اطلاق میں بہت بڑی رکاوٹ ہو سکتی ہے کیونکہ عوام میں ایسا شعور اجاگر نہیں کیا گیا عوام کی بڑی تعداد اپنے قانونی حقوق اور عدالتی عمل سے نا آشنا ہے، جس سے وہ استحصال کا شکار ہو جاتے ہیں جبکہ اسلام اپنے ماننے والوں کو پیغام دیتا ہے کہ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ[6]

تو ان میں ہر گروہ میں سے ایک جماعت کیوں نہیں نکل جاتی تا کہ وہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ[7]

علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے

لہذا امت مسلمہ کے لیے تعلیم رگِ جاں کی مانند ہے کہ جس کے کٹ جانے پر وجود مردہ قرار دے دیا جاتا ہے، اس لیے شہروں میں عمومی طرپر اور دیہی علاقوں میں خاص طور پر قانونی تعلیم اور آگاہی کی مہمات چلائی جانی چاہیے تا کہ ہر فرد کو اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ سماجی سطح پر عائد فرائض سے بھی آشنائی حاصل ہو اور خود کو مجوزہ دائرہ کار میں محدود رکھے۔

۵۔ فرد کی سماجی حیثیت کی بنیاد پر امتیازی رویہ

ہر فرد معاشرے کی اکائی ہے اور خاندان ہو یا سماج، انہی اکائیوں سے مل کر بنتا ہے اور بنتے بنتے ایک مضبوط و مربوط عمارت یا نظام کی شکل اختیار کر جاتا ہے جو دیکھنے والوں کے لیے باعث راحت و جاں ہوتا ہے اور یہی اتحاد و اتفاق ہی عشرے گزرنے کے بعد دو قالب یکجاں کی کیفیت پیدا کرنے کے قابل ہوتا ہے جو مخالفین کی روحوں تک کو چھلنی کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ سماج کی عمارت میں لگی ہر اینٹ ایکدوسرے کے لیے سہارا بن رہی ہوتی ہے اور اس عمارت کی مضبوطی تبھی دیرپا تصور کی جا سکتی ہے جب سبھی اینٹیں ایک ترتیب اور درست انداز سے لگائی جائیں، غیر منظم اور ناقص طرز پر لگائی گیں اینٹیں دیکھنے والوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتیں کیونکہ اُن دیکھنے والوں کو خامی واضح نظر آرہی ہوتی ہے کہ دراڑ پڑنا کہاں سے شروع ہو گی لہذا ہر اینٹ کی اپنی اہمیت اور کردار ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن قدرت کی طرف سے پیدا کردہ سماجی تفاوت کو کچھ افراد معاشرتی برتری و بہتری کا طرہ امتیاز سمجھ لیتے ہیں کہ قدرت نے جو انہیں مال و ثروت عطا کیا ہے، اس پر صرف انہیں کا حق تھا، یا یہ سب ملنا ان کے لیے لازم امر تھا تا کہ وہ دنیا و آخرت میں دوسرے لوگوں سے ممتاز رہ سکیں کیونکہ وہ رب تعالیٰ کے پسندیدہ یا چنیدہ بندے ہیں لہذا تمام تر نعمتوں پر اولین اختیار انہی کو زیبا ہے جبکہ باقی مخلوق اُن کی تابعداری کے لیے پیدا کی گئی ہے یا کچھ لوگوں کو ایسا یقین سا ہو جاتا ہے کہ دنیا و جہاں کے ثمرات، ان کے آباؤ اجداد کی محنت یا خود ان کی محنت کاملہ کا پھل ہیں لہذا اس سے مستفید ہونا صرف انہی کا حق ہے جبکہ باقی مانندہ لوگ کام چور، نکمے اور لاچار پیدا کیے گیے ہیں اور انہیں اِسی طرز پر زندگی بسر کرنا روا ہے کیونکہ وہ اسی رویے کے مستحق ہیں و اسی طرح کی دیگر واہمات لیکن ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ[8]

اور یہ دن ہیں جو ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں

---

[6] . Al-Tawba, 9:122.
[7] . Muḥammad ibn ʿAbdullāh, ***Mishkāt al-Maṣābīḥ*** (Bayrūt: Al-Maktab al-Islāmī, 1980), 1:76, ḥadīth 218.
[8] . Āl ʿImrān, 3:140.

لہذا سماجی مقام و مرتبہ کبھی یہ طے نہیں کرتا کہ کوئی امیر ہے تو سارے حقوق اسے حاصل ہو گئے ہیں اور تمام تر مذہبی و ملکی قوانین سے اسے مبرا قرار دے دیا جائے اور اور کوئی غریب ہے تو تمام فرائض اسی پر عائد ہوتے ہیں اور کلی قوانین کی پیروی کرنا اس کے ذمہ لازم کر دیا گیا ہے، سماجی رتبہ کو بنیاد بنا کر حقوق و فرائض طے کرنا فہم و فراست رکھنے والے معاشرے کی نشاندہی نہیں کرتا۔ قوانین کے اطلاقی پہلو کے لحاظ سے سبھی کو مساوی نظر سے دیکھا جانا چاہیے اور جو فرد بھی کسی ذمہ داری میں غفلت برتے یا کسی جرم میں مبتلا پایا جائے تو اس سے طے کردہ قوانین کے مطابق سلوک روا رکھا جانا چاہیے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

وإن سَرَقَ فيهم الدُّونُ قَطَعوه، و إنَّها لو كانَتْ فاطمةَ بنتَ محمدٍ لقَطَعْتُها[9]

اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

لہذا بلا امتیاز سماجی مقام و مرتبہ ہر امیر و غریب پر قانون یکساں طور پر نافذ کیا جانا چاہیے تا کہ قانون کی حکمرانی چار سو نظر آئے۔

۶۔ پولیس کا ناروا سلوک اور اختیارات میں عدم توازن

کسی بھی ریاستی نظام کو عام طور پر تین درجات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن میں سے ایک پارلیمانی یا صدارتی نظام کے تحت بننے والی مجلس شوریٰ جس کے ذریعے ملکی قوانین کی تشکیل و تنظیم کی جاتی ہے، دوسرے درجے پر عدالتی نظام جو کہ اول الذکر طبقہ کی طرف سے مرتب کردہ قوانین کی تشریح و تعبیر اور اسی کے مطابق فیصلے کرنے کی مجاز ہے تا کہ اطلاقی پہلو بھی ساتھ ساتھ واضح ہوتا چلا جائے اور تیسرے درجے پر وہ انتظامیہ ہے جو مندرجہ بالا طبقات کی طرف سے ملنے والے احکامات کو من و عن نافذ کرنے کی مجاز ہے اور جس نے سماجی ساخت میں پیدا ہونے والے بگاڑ کو ملکی آئین و قانون کے تحت راہ راست پر لے کر آنا ہے۔

کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ قانون بنانے والوں کے طرف سے شقوں میں کوئی سقم رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے قانون عملی بطور پر درست نتائج دینے سے قاصر ہوتا ہے اور کبھی کبھار متفرق تشریحات و تعبیرات کے سبب غلط فکر پروان چڑھنے لگتی ہے اور اکثر انتظامیہ کی کوتاہی یا غفلت کی وجہ سے لوگ قانون و قانون نافذ کرنے والے اداروں سے متنفر ہو جاتے ہیں کیونکہ انہیں کلی علم نہیں ہوتا کہ جو صریح نص ہے ان میں کیا تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور جو مظاہر اُن کے سامنے پیش آرہے ہیں وہ کسقدر اُن سطور میں لکھے ہوئے الفاظ کے عین مطابق ہیں لہذا اُن کا متنفر ہونا ایک قدرتی عمل گردانا جاسکتا ہے کیونکہ عوام کی اکثریت پارلیمانی کاروائیوں سے لاعلم ہوتی ہے لہذا ذمہ داری ملکی آئین و قانون نافذ کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ نفاذ کے وقت کیا طریقہ یا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں جس کی بنیاد عام رعایا کا ردِ عمل سامنے آتا ہے اور مشاہدہ عام کی بات ہے زیادہ تر غلط طریقہ واردات اسی مقام پر برتا جاتا ہے کہ کسی کو جھوٹے مقدمے میں گرفتار کر کے ہراساں کیا جاتا ہے اور رشوت کا ایک نیا در وا ہوتا ہے اور کسی کو ذاتی بغض و عناد کے سبب مختلف حیلے و بہانوں سے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر رسوا کیا جاتا ہے اور سر عام اس کی پگڑی اچھالی جاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ متاثرہ فرد ادارے اور ملازمین سے نفرت کرنے لگتا ہے، عوامی جہالت کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لیکن ایک صاحب علم و تربیت اور لاعلم فرد کے طرزِ عمل میں یکسانیت واضح کرتی ہے کہ اول الذکر پر چونکہ ذمہ داری ڈالی گئی تھی لہذا اُسے بہتر طور پر پیش آنا چاہیے تھا کیونکہ علمی مقام و مرتبہ میں فوقیت کا ہونا تو اسلام میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ دونوں برابر ہر گز نہیں ہو سکتے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ[10]

کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟

تو جنہیں ملکی وسائل خرچ کر کے تربیت دی گئی، قانون کی راہداریوں سے آگاہ کیا گیا وہ اس عوام کی طرح کیسے رد عمل دے سکتے ہیں جنہیں کچھ علم ہی نہیں جبکہ اداروں کی طرف سے جھوٹے مقدمات، جسمانی تشدد اور غیر قانونی حراست جیسے مسائل عام افراد کے لیے سنگین خطرہ بن جاتے ہیں

[9] . Abū ʻAbd al-Raḥmān al-Nasāʾī, ***Sunan al-Nasāʾī*** (n.p.: Dār al-Risāla al-ʻĀlamiyya, 2018), 8:129, ḥadīth 4896.
[10] . Al-Zumar, 39:9.

جو قانون واحترامِ قانون کے لیے رکاوٹیں پیدا کرنے لگتے ہیں لہذا شریعت کے مجوزہ اسلامی اصولوں کے تحت پولیس کو دیانت، رحم دلی اور عدل کی تربیت دی جائے اور ان پر نگرانی کی جائے۔

۷۔ خواتین کو درپیش مخصوص مسائل

خواتین ہر معاشرے کا لازمی جزو ہیں بلکہ کوئی خاندان، کوئی سماج دنیا میں خود کے وجود کو استحکام سے ہمکنار نہیں کر سکتا جب تک اس میں خواتین موجود نہ ہوں بلکہ تصویر کائنات میں رنگ وبو اسی کے دم قدم سے ہے، قصہ آدم وحوا (علیہا السلام) ہو یا کلمہ روح اللہ کا ذکر کیا جائے، حسنِ یوسفؑ کی ہر سو بات چل رہی ہو یا تختِ بلقیس کی نوحہ خوانی ہو، ہر صاحبِ فضل کی فضیلت کے ساتھ اور ہر ظالم و سرکش کی کہانی میں ذکرِ عورت موجود ہے۔ ہر قصے کے دوسرے کردار میں یہی عورت محو گفتگو سنائی دیتی ہے لہذا اس کے وجود سے انکاری ہونا چنداں آسان نہیں اور اس کے کردار سے صرف نظر کرنا ممکنات میں سے نہیں، تو پھر جس ذات کے بغیر انسانی وجود کی تکمیل ممکن نہیں اس کے بغیر بہتر سماج کی توقع کیسے قائم کی جا سکتی ہے؟

لیکن کچھ معاشروں میں اس کے کردار کو داغ دار کر دیا گیا ہے جس کے سبب دوسرے وسائل تک رسائی نہیں دی جاتی حتیٰ کہ تعلیم جیسی بنیادی ضرورت سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے حالانکہ جہاں تعلیم یافتہ ایک مرد سماج کے لیے اتنا مفید ثابت نہ ہو پائے گا جتنا ایک عورت کا علم کے زیور سے مزین ہونا فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ مرد جب علمی سرگرمیوں سے فراغت حاصل کرتا ہے تو اس کی پہلی کوشش بر سرِ روزگار ہونا ہوتی ہے تاکہ خود کی اور اپنے خاندان کی کفالت کی ذمہ داری اٹھا سکے جبکہ دوسری طرف دیکھا جائے تو جہاں ایک عورت کو بقدرِ ضرورت ملازمت، کاروبار اور دیگر معاشی ذرائع اختیار کرنے کا حق حاصل ہے وہیں خالق ومالک نے ماں جیسی ہستی بھی اسی کی ذات میں پنہاں رکھی ہوئی ہے کہ وہ کردار جسے سینکڑوں مرد مل کر بھی ادا نہیں کر سکتے وہ ایک اکیلی عورت بخوبی نبھا لیتی ہے تو خواتین کی الگ قدر واہمیت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس قدر اہمیت وخاصیت کے کردار سے یکسر صرف نظر کرنا غیر منصفانہ طرزِ عمل ہے اور آج کے معاشرے میں اسی پہلو کے حوالے سے خاصی دشواریاں خواتین کو برداشت کرنی پڑ رہی ہیں۔ بعض اوقات ان کے لیے ملازمت کئے جانے کے عمل کو خاصا مشکل بنا دیا جاتا ہے، عدل وانصاف کے ایوانوں میں رسائی میں دشواریاں پیش آتی ہیں، سماجی حیثیت کے لحاظ سے کردار کو داغ دار بنا دینا معمولِ عام کی بات ہے۔

مختصراً کہا جائے تو اکثر اوقات معاشرے میں انہیں وہ مقام حاصل نہیں ہو پاتا جس کی وہ مستحق ہوتی ہیں اور بعض اوقات تصویر کا دوسرا رُخ بھی بڑا بھیانک دیکھائی دیتا ہے جہاں خواتین اپنے فطری کردار کے برعکس عملی مظاہرہ پیش کرتی ہیں۔ قوانین کے اطلاق میں دیگر مسائل کے ساتھ ایک یہ پہلو بھی نمایاں اہمیت کا امل ہے کیونکہ ملک کی نصف آبادی کے لیے قانونی لحاظ سے سہولیات کا فقدان ہونا دیگر منسلک کئی مسائل کو جنم دیتا ہے جبکہ فرمان عالیشان ہے کہ

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ[11]

مردوں کے لئے ان کے اعمال سے حصہ ہے، اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال سے حصہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[12]

اور عورتوں کیلئے بھی مردوں پر شریعت کے مطابق ایسے ہی حق ہے جیسا (ان کا) عورتوں پر ہے۔

لہذا خواتین کے لیے سماجی نظام میں حتی الوسع کوشش کی جائے کہ لیڈی افسران، قانونی امداد اور تحفظ یونٹس قائم کیے جائیں تاکہ ان معاملات میں بھی انہیں آسانی میسر ہو سکے جن میں بعض اوقات مرد حضرات سے واسطہ پڑتا ہے۔

[11] . Al-Nisāʾ, 4:32.
[12] . Al-Baqara, 2:228.

پاکستان میں عام شہریوں کو قوانین کے اطلاق کے دوران جو مسائل درپیش ہیں، وہ انصاف کے حصول میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ تاہم، اسلامی تعلیمات ان مسائل کا نہ صرف اخلاقی بلکہ عملی حل بھی پیش کرتی ہیں۔ اگر ملک کا قانونی نظام اسلامی اصولوں پر استوار کیا جائے تو انصاف ہر فرد تک پہنچے گا، خواہ وہ امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت۔ یہی حقیقی اسلامی ریاست کی جانب قدم ہو گا۔

مبحث دوم: قوانین کے نفاذ میں سماجی سطح پر درپیش مسائل

کوئی بھی سماج! خاندان، اقوام اور قبائل کی مشترکہ ساخت سے مل کر تشکیل پاتا ہے۔ سبھی کا کردار درجہ بدرجہ تشکیل و تعمیر میں شامل ہوتا ہے لہذا جب بھی کسی سماج کے مسائل کو جانچنا ہو تو اس کی ساخت پر توجہ مرکوز کیے بغیر مطلوبہ اہداف کا تعین و حصول ممکن نہیں، سماج چونکہ چھوٹی چھوٹی متفرق اکائیوں پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے مسائل بھی مختلف النوع ہو سکتے ہیں۔ کہیں پر افراد کی علمی حیثیت مختلف ہو گی تو کہیں پر معاشی پہلو نمایاں ہو رہا ہو گا۔ کہیں پر سیاسی بلوغت قدر بہتر ہو گی تو کہیں عسکریت پسندی برتر تصور کی جائے گی۔ اس لیے سبھی اکائیوں کو ایک لڑی میں پرونے کے لیے مشترکہ مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے قانونی ڈھانچہ تعمیر کرنا ہو گا جس میں بعض اوقات کسی فریق کے ذاتی مفادات زد میں آسکتے ہیں لیکن مفادِ عامہ کے پیش نظر اور ملکی سالمیت کو برتر جانتے ہوئے سماجی اخلاقیات کے حوالے سے قانون سازی از حد ضروری امر ہے تاکہ اتحاد و اتفاق کو پروان چڑھایا جاسکے اور جرائم سرزد ہونے کی صورت میں قرار واقع جزا و سزا کا اطلاق کیا جاسکے۔ لہذا کسی بھی ملک میں قوانین کا سماجی سطح پر مؤثر نفاذ امن، عدل، اور اخلاقی ہم آہنگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ پاکستان میں اگرچہ قوانین موجود ہیں، مگر ان کے نفاذ میں سماجی سطح پر کئی رکاوٹیں حائل ہیں۔ یہ رکاوٹیں عموماً ثقافتی، تعلیمی اور انتظامی بنیادوں پر قائم ہیں۔ اسلامی تعلیمات ہمیں ان مسائل کے لیے ایسے جامع اور پائیدار حل فراہم کرتی ہیں جو ایک منصفانہ اور اخلاقی معاشرے کی تشکیل میں مدد دے سکتے ہیں۔ قوانین کے نفاذ میں درپیش مسائل کا جائزہ مندرجہ ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔

ا۔ اجتماعی سطح پر جہالت اور قوانین سے عدم واقفیت

ملکی سطح پر طائرانہ نظر سے دیکھا جائے تو متعدد ایسے علاقے و اقوام موجود ہیں جنہیں تعلیم سے زیادہ شغف نہیں یا ان تک دیگر علاقوں کی نسبت علمی سرگرمیوں سے منسلک سہولیات نہیں پہنچ پائیں یا انہیں اس حوالے سے خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے خاص طور پر دیہی علاقوں میں لوگ اپنے حقوق اور قانونی تحفظ سے ناآشنا ہوتے ہیں، جس کا نتیجہ استحصال کی صورت میں نکلتا ہے۔ چونکہ ملکی آبادی کا زیادہ تر حصہ دیہات پر مشتمل ہے اور شہروں کی نسبت وہاں سہولیات بھی خاصی کم تعداد میں میسر ہوتی ہیں اس لیے وہاں تعلیم کا معیار بھی بہت نچلی سطح تک رہتا ہے جیسا کہ بعض دیہات میں پرائمری یا سکنڈری سطح تک تعلیم کی سہولت ہو گی اور بعض میں ہائر سکنڈری تک لہذا یہ معمول عام کی بات ہے وہاں قوانین کے بارے میں افراد کو آگاہی نہیں ہو گی یا پھر بہت کم ہو گی۔

اس لیے اطلاقی لحاظ سے اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جب تک قوانین کو نصاب کا لازمی جزو نہیں بنایا جائے گا، لوگوں میں شعور پیدا کرنا ممکن نہیں ہو پائے اور ساتھ ساتھ معاشرتی سطح پر بڑھتی ہوئی جرائم کی وارداتوں میں مجرمین کو عملی طور پر سزائیں نہیں دی جائیں گی قانون کی علمداری کو یقینی بنانا ممکنات میں سے نہیں کہ لوگوں کے ذہنوں میں قانون کی گرفت کا خوف تبھی جڑ پکڑے گا جب انہیں سزا ملنے کا یقین کامل ہو جائے گا لہذا اسلامی تعلیمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسا لائحہ عمل مرتب کیا جانا چاہیے جس سے لوگوں میں شعوری سطح پر پابند اصول و ضوابط بنایا جایے تاکہ نہ صرف ملکی قوانین کا احترام ان کے ذہن نشین ہو بلکہ مذہبی تعلیمات کے حوالے سے بھی انہیں معلوم ہو جائے کہ جزا و سزا کا مذہب نے کیا قاعدہ و کلیہ مرتب کیا ہوا ہے اور اس کے لیے فکری آبیاری کرنا از حد ضروری امر ہے جس کے لیے تعلیم سے بڑھ کر کوئی بھی درست ذریعہ موجود نہیں اور علم و شعور کی ترویج کے متعلق فرمان عالیشان بھی ہے کہ

هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ[13]

کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟

[13] . Al-Zumar, 39:9.

لہذا! دیہی علاقوں میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قانونی شعور عام کیا جائے۔

۲۔ فرسودہ رسم و رواج کی بالادستی

تہذیب و ثقافت ہر خاندان، قوم اور معاشرتی زندگی کا لازمی جزو ہوتی ہیں جس کے ذریعے مقامی روایات کو آنے والی نسل کو منتقل کیا جاتا ہے اور انہیں نسلوں تک دوام بخشا جاتا ہے تاکہ اسلاف کی عادات واطوار سے خلف آگاہ رہیں اور ہمعصر اقوام وملل کے درمیان خود کی شناخت کو منفرد حیثیت سے قائم رکھتے ہوئے بعد از زمانہ ممتاز مقام پر براجمان ہو سکیں کیونکہ یہی وہ عناصر ہوتے ہیں جن سے کسی بھی قوم کی پہچان الگ تھلگ انداز میں برقرار رہ سکتی ہے لیکن اسی دروازے سے کچھ ایسی رسومات کا بھی احیا بھی ہو جاتا ہے جو بعض اوقات اسلاف کے ساتھ ساتھ اخلاف کے لیے بھی اجتماعی طور پر ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے جو رفتہ رفتہ سماج کو اندھے کنویں میں لا گراتا ہے جس سے نکلنے کی کوئی بھی صورت پھر نظر نہیں آتی۔

ماضی قریب میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ تہذیب و ثقافت کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیمات میں بھی افراد کے انفرادی واجتماعی حقوق وفرائض سہل انداز میں تفصیل سے بیان کر دیے گیے لیکن مقامی رسوم رواج نے اُن پر فوقیت حاصل کر لی اور تہذبی ومذہبی ہدایات کو پس پشت ڈال دیا گیا جیسا کہ بچیوں کو زندہ درگور کیا جانا، انہیں وراثت سے محروم کر دینا، تعلیم کے حصول سے روکا جانا۔ جبر و تشدد کا روا رکھا جانا اور کسی بھی قسم کی سماجی یا مذہبی سہولت و حقوق سے مستفید نہ ہونے دینا جیسے معاملات آج بھی مسلم معاشرے میں کثیر تعداد میں وقوع ہو رہے ہیں لہذا فرسودہ رسوم ورواج جو کہ افراد معاشرہ کو غیر ضروری زنجیروں میں جکڑے رکھتے ہیں قانونی لحاظ سے مسائل کو بڑھاوا دینے میں مشکلات پیدا کرتے ہیں کیونکہ متاثرین کے نقطہ نظر سے برتر اصول وہی ہے جس کی اسلاف سے روایت چلی آ رہی ہو پھر چاہیے وہ گلے کا طوق ہی کیوں نہ بن گئی ہو، رسم کی صورت میں اُس پر عمل پیرا ہونا اور لوگوں کی نظروں میں قدیم روایات کا امین ٹھرنا بہتر وبرتر امر ہے لہذا اس حوالے سے بھی غور و غوض کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ ہمہ جہتی ضوابط کو تعلیمات اسلامیہ کی روشنی میں بھی بروئے کار لایا جا سکے کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ

فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ المَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ [14]

پس میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرو۔ اسے مضبوطی سے پکڑو۔

پس واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی سنتوں کی اتباع کا حکم فرما کر جاہلی رسموں کو ختم کر کے عدل و مساوات پر مبنی نظام قائم کیا۔ لہذا! ایسے رسوم ورواج جو اسلام اور آئین سے متصادم ہوں، انہیں قانوناً ختم کیا جانا چاہیے۔

۳۔ سماجی دباؤ اور انتقام کا خوف

قانون، عدل وانصاف اور جزا و سزا کا نظام کسی بھی سماج کو مستحکم و منتشر بنانے بھی بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ جس معاشرے میں افراد کو بھلائی کرنے کی جزا اور جرم کرنے کی سزا کا خوف ہو گا وہاں لاقانونیت پروان نہیں چڑھ پائے گی کیونکہ ایک خود کار نظام واضح کرتا چلا جائے گا کہ ملزمین ومتاثرین کے لیے کیا اور کیسا انجام کار موجود ہے جس کے زیر سایہ وہ منطقی انجام کی طرف بڑھیں گے۔ شہری ہوں یا دیہاتی افراد معاشرہ کے لیے قانون کی علمداری باعث اطمینان قلب وجاں ہوتی ہے کہ اس سائبان کے نیچے کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی روا نہیں رکھی جا سکتی لیکن جہاں مظلوم کو خوف ہو کہ پہلے جو ظلم ہو چکا، جو زیادتی ہو چکی وہ ایک طرف، اگر اُس ہونے والے ظلم وزیادتی کے خلاف کوئی رد عمل دیا، کسی صاحب اختیار کے پاس شکائت درج کروائی یا انصاف کے حصول کے لیے کسی بھی عدالت کا دروازہ کھٹکٹایا تو دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ خود کی جان کے لالے پڑ جائیں گے کیونکہ یہاں ملکی نظام اسقدر گھمبیر ہو چکا ہے کہ ظالم تو دندناتا پھرے لیکن مظلوم سائل بن کر کسی در پر نہیں جائے گا ورنہ اس کا اور اس سے متعلق افراد خانہ کا جینا دوبھر کر دیا جائے گا۔

---

14 . Muḥammad ibn ʻĪsā al-Tirmidhī, ***Sunan al-Tirmidhī*** (Miṣr: Sharikat Maktaba wa-Maṭbaʻa Muṣṭafā al-Bābī al-Ḥalabī, 1975), 5:44, ḥadīth 2676.

لاتعداد واقعات ماضی کا حصہ بن چکے اور روز مرہ معمولات میں ان گنت عینی شواہد موجود ہوتے ہیں جن میں ظالم کو ظلم کرتے وقت کسی بھی قانون یا سزا کا خوف تک نہیں ہوتا بلکہ وہ اُس ناحق عمل کو اپنا پیدائشی حق سمجھ کر سرانجام دے رہے ہوتے ہیں اور مظلوم کھلی آنکھوں اس کا کچھ نہیں بگاڑ پاتا کیونکہ اُس ظالم کو کہیں تو قانونی کمزوریوں کا پتہ ہوتا ہے اور کہیں سماجی لحاظ سے برتر حیثیت رکھنے والے کی طرف سے پشت پناہی مل جاتی ہے جو مظلوم کو پست ہمتی اور ظالم کو ہلہ شیری دیتی ہے جس کے سبب روز بروز جرائم بڑھتے جارہے ہیں اور سائلین خموشی اختیار کرنے میں ہی عافیت جانتے ہیں کیونکہ نقار خانے میں طوطی کی آواز کسی کے کانوں تک پہنچنے سے قبل ہی خاموش کروادی جائے یا ابدی نیند سلادی جائے گی لہذا! نہ نو من تیل ہوگا اور نہ رادھا ناچے گی، نہ کسی کے خلاف آواز اٹھائی جائے گی اور نہ ہی کوئی ظلم ہوتا نظر آئے گا اور راوی چین ہی چین لکھے گا لیکن اس سے ایک بہتر سماج ہر گز پروان نہیں چڑھ پاتا کیونکہ جن عناصر نے معاشرے کے قدرتی حسن کو نکھارنا ہوتا ہے، پس پردہ اُنہیں عامل کی وجہ سے اخلاقیات وروایات کا قلعہ قمع کیا جارہا ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ وجود کو گھن کی طرح چاٹ کر کمزور کررہا ہوتا ہے اور جب جان برلب آتی ہے تب جاکر آنکھ کھلتی ہے کہ کیا ماضی میں کئے گئے اعمال کا نتیجہ کس قدر بھیانک انجام کی صورت میں سامنے آرہا ہے۔

لہذا! جہاں ظلم کرنے والوں پر گرفت کو مضبوط کیا جانا چاہیے وہیں متاثرین کی بھی دادرسی کرنی چاہیے تاکہ مستقبل میں کوئی سانحہ پیش آئے تو قانون کو خود کا محافظ سمجھا جائے نہ کہ قانون نافذ کرنے والوں سے دور بھاگا جائے کہ اکثر جرائم کی پشت پناہی کا سراغ انہیں کے دروازے تک جا پہنچتا ہے جس سے نفرت وعداوت کا رجحان پروان چڑھنے لگتا ہے اور دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ اطلاقی لحاظ سے یہ پہلو بھی سنجیدگی کا متقاضی ہے لہذا اسے بھی مدنظر رکھا جانا چاہیے کہ قانون کے اطلاق میں یہ بھی بہت بڑی رکاوٹ کا جواز فراہم کرتا ہے جبکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ

وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْاؕ-اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى[15]

اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ تم انصاف نہ کرو (بلکہ) انصاف کرو، یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔

پس واضح ہوا کہ مظلوموں کے لیے قانونی امداد، محفوظ پناہ گاہیں اور گواہوں کے تحفظ کا مؤثر نظام بنایا جائے تاکہ احترام قانون اور اطلاق قانون کے نفاذ میں درپیش مسائل میں کمی لائی جاسکے۔

۴۔ جاگیردارانہ وقبائلی نظام کا غلبہ

ملکی سطح پر وضع کیے گیے قواعد وضوابط میں جو بات سب سے منفرد وممتاز ہوتی ہے وہ یکسانیت ومشاورت کا پایا جانا ہے۔مشاہدہ عام کی بات ہے آئین وقانون میں کسی بھی شق کو شامل کرنے سے قبل اُس کے بارے میں مجلس شوریٰ منعقد کی جاتی ہے، پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا جاتا ہے، ایوان بالا وزیریں میں بحث ومباحثہ کا بھرپور موقع فراہم کیا جاتا ہے، پھر تمام مراحل کا بخوبی تکمیل تک پہنچنے کے بعد مجوزہ صاحبان اقتدار واختیار کے دستخط سے ہی وہ ملک کے آئین وقانون کا حصہ بنتا ہے جبکہ دوسری طرف دور جدید میں بھی بعض علاقوں میں جاگیردارانہ وقبائلی نظام موجود ہے جس کے ذریعے مقامی سطح پر فردِ واحد یا کچھ افراد مل کر کسی بھی سنجیدہ وگنجلک مسلے کو آن واحد نمٹا دیتے ہیں، کہیں انصاف کے تقاضے پورے کرنے کا خود ساختہ دعوی بھی کردیا جائے تب بھی اُن فیصلوں کی قانونی حیثیت کون طے کریگا کہ وہ عدل وانصاف کے تمام تر تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔زمانہ ماضی میں یہی طرز عمل مستحسن گردانا جاتا تھا کہ جس کے ذریعے معاملات زندگی کو سلجھالیا جاتا تھا اور کہیں کارگر ہوسکتا ہے لیکن سبھی کے لیے یکساں قابل قبول تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس میں بھی یک طرفہ فیصلے زور بازو کی بنیاد پر نافذ کردیے جاتے ہیں جبکہ فریق مخالف کمزور وناتواں ہونے کی وجہ سے سر تسلیم خم کردیتا ہے کیونکہ پنچائیت کے بڑوں کو خود کی عزت وآبرو کا بھرم رکھنا ہوتا ہے اور مقامی رسوم ورواج کو بھی محفوظ کرنا ہوتا ہے تاکہ متقلدین کو یقین دلایا جاسکے کہ جو بھی فیصلہ کیا گیا ہے وہ مفاد عامہ کو مقدم رکھ کر ہی کیا گیا ہے۔لہذا ایسے رجحانات میں قانونی سقم موجود رہتے ہیں جن سے فریقین کو بعد ازاں نبرد آزما ہونا پڑتا ہے جس سے بعض اوقات سماجی وملی ساخت کو دھچکا لگتا ہے اور بین الاقوامی سطح پر شناخت مجروح ہوجاتی ہے جس کے تدارک کے لیے یکساں طور پر قوانین کا اطلاق کیا جانا ازحد ضروری امر ہے جبکہ اسلام مساوات

15 . Al-Māʾida, 5:8.

اور احتساب کا قائل ہے جیسا کہ سیرت نبوی ﷺ سے رہنمائی ملتی ہے کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ[16] بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

حدیث مبارکہ میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ

وإن سَرَقَ فيهم الدُّونُ قَطَعوه، وإنَّها لو كانَتْ فاطمةَ بنتَ محمدٍ لقَطَعْتُها[17]

اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

ایک اور مقام پر فرمان عالیشان ہے کہ

ألا لا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ على عجميٍّ، ولا لِعَجَمِيٍّ على عَرَبِيٍّ، ولا لأَحْمرَ على أسْوَدَ، ولا لأَسْودَ على أحْمرَ إلا بالتقْوى[18]

نہ کسی عربی کو عجمی پر، نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، سوائے تقویٰ کے۔

لہٰذا! ریاست کو چاہیے کہ تمام شہریوں پر ایک ہی قانون کا اطلاق کرے، چاہے وہ امیر ہو یا سردار بلا امتیاز سبھی کو یکساں طور پر قانون کے نفاذ میں حصہ ڈالنا چاہیے۔

۵۔ کمزور سماجی ادارے

سماجی نظام میں گھر، مدرسہ، اسکول اور محلے جیسے اداروں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ زیادہ تر افراد انہیں جامعات سے گزر کر پروان چڑھتے ہیں اور تادمِ مرگ ان کی طبیعت و فطرت پر ان کے اثرات باقی رہتے ہیں۔ لوگوں نے جو کچھ پڑھا، جانا اور سیکھا ہوتا ہے وہ اِنہی کے مرہون منت ہوتا ہے۔ معاشرے میں یہ ادارے مثبت کردار ادا کریں تو سماج علم کا گہوارہ بن جائے اور علوم کے بحرِ بے کنار سے ہر جاہ و سمت بھر جائے۔ انہیں اداروں نے شہریوں کو خاندانی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنا ہوتا ہے اور یہی سے سماجی و ملکی مفادات کے مطابق شعور کو پروان چڑھایا جاتا ہے لیکن یہاں امید و توقعات کے مطابق فرائض سرانجام نہیں دیے جارہے۔ کچھ ادارے خود کے انتظام کے تحت طلبہ و ملازمین کو شہری و ملکی ذمہ داریوں سے آگاہی دے رہے ہیں لیکن اکثریت کے نصاب میں تضاد پایا جاتا ہے۔

طلبہ اعلیٰ ترین ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی امتیازی درجہ کے ساتھ حاصل کر لیں گے لیکن سماجی و ملی قواعد و ضوابط سے ناآشنا ہوں گے، ان کی فکری تربیت انتہائی ناقص ہوگی۔ چند منتشکل قسم کی سطحی معلومات ان کے اذہان میں محفوظ ہوں گی کہ جن کے بارے میں سوال کر لیا جائے تو اکثریت کو نابلد پایا جائے گا۔ جب جامعات کے طلبہ و طالبات کی قوانین کے بارے میں آگاہی نہ ہونے کے برابر ہوگی تو پھر جنھوں نے ساری زندگی کسی اسکول، مدرسہ یا جامعہ کی دہلیز سے نہیں گزرے ہوں گے، ان کی معلومات کا اندازہ لگانا چنداں مشکل عمل نہیں لہذا سماجی اداروں کو بھی اس تحریک کا حصہ بنایا جانا چاہیے کہ وہ ملکی مفادات کے مطابق طلبہ و طالبات کی تعلیم و تربیت کا نظام وضع کریں اور عملی طور پر اُن سے قانون پر عمل پیرا ہونے کی مشقیں کروائی جائیں تاکہ جب وہ سماج کا حصہ بنیں تو ایک مفید شہری کی صورت میں مثبت کردار ادا کر سکیں جبکہ اسلام بھی اہلیان اسلام کی رہنمائی فرماتا ہے کہ أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِهِ وَهوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْؤُولَةٌ عَنْهُمْ، وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهوَ مَسْؤُولٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ[19]

---

16 . Al-Ḥujurāt, 49:13.

17 . Abū ʿAbd al-Raḥmān al-Nasāʾī, ***Sunan al-Nasāʾī***, 8:129, ḥadīth 4896.

18. Muḥammad Nāṣir al-Dīn al-Albānī, ***Ṣaḥīḥ al-Targhīb wa'l-Tarhīb*** (Al-Riyāḍ: Maktabat al-Maʿārif lil-Nashr wa'l-Tawzīʿ, 2000), 3:135, ḥadīth 2963.

19. Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl, ***Al-Jāmiʿ al-Bukhārī*** (ʻIṭāʻat al-ʻIlm: Musūʻa Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, 1437 AH), kitāb al-ʻIlm, 6:239, ḥadīth 7138.

آگاہ ہو جاؤ! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس امام! لوگوں پر نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہو گا اور کسی شخص کا غلام اپنے سردار کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال ہو گا۔ آگاہ ہو جاؤ! کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہو گی۔

لہٰذا! اسکول، مساجد، اور خاندان کو اسلامی اخلاقیات پر مبنی تربیت کا مرکز بنایا جائے جہاں دیانت، عدل اور ذمہ داری کو فروغ دیا جائے۔

۶۔ ناانصافی کے خلاف احساس لاتعلقی

تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور اولاد آدم کی نسبت سے ان کا آپس میں اخوت کا تعلق ہے اور تخلیقی لحاظ سے سبھی انسانوں کا خالق ومالک بھی ایک ہی ہے جس نے روحانی طور پر انہیں آپس میں منسلک کیا ہوا ہے۔ ان سب کے علاوہ بھی تمام انسانوں میں کچھ اقدار مشترک شمار کی جاتی ہیں کہ ایک فرد دنیا کے کسی اور کونے پر زندگی بسر کر رہا ہو اور کوئی دوسرا فرد بالکل مخالف سمت میں کسی اور دور دراز مقام پر رہ رہا ہوں اور وہ دونوں کبھی بھی ایکدوسرے سے ملاقات نہ کر سکیں اس کے باوجود بھی کچھ اقدار ان میں مشترک ہوں گی کیونکہ رب تعالیٰ نے ان میں نفع ونقصان کا تناسب، خیر وشر کی پہچان، صحیح اور غلط میں فرق کرنے کی صلاحیت قدرتی طور پر پیدا کی ہوئی ہے۔ وہ افراد پلک جھپکنے میں خود کی ذات کے بارے میں بہتر وبرتر کا انتخاب کرنے میں فیصلہ کرلیں گے اور جان لیں گے کہ کیا ان کی ذات کے لیے مفید ہے اور کس خطرے سے خود کو محفوظ رکھنا ہے اور اس کے لیے کیا حفاظتی تدابیر اختیار کرنی ہیں۔

یہ تمام خوبیاں از تخلیق آدم سے موجود ہیں تاکہ یہ ایکدوسرے سے انفرادی وسماجی سطح پر تعاون کر سکیں اور بہتر ومحفوظ معاشرے کو پروان چڑھانے میں مدد ومعاون ثابت ہوں کیونکہ مطالعہ سے یہ پہلو کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ افریقی جنگلوں میں رہنے والوں نے بھی زندگی بسر کرنے کے لیے رہنما اصول وضع کیے ہوئے ہیں کہ جہاں تک دورِ جدید کی سہولیات کا پہنچ پانا ممکن نہیں یا وہ معاشرہ ان سہولیات سے خود کو بچائے ہوئے ہے اور دوسری طرف جدید طرز پر پہنچنے والا معاشرہ بھی رہن وسہن کے حوالے سے قواعد وضوابط منضبط کئے ہوئے ہے کہ جزا پر کیا انعام دیا جائے گا اور جرم کرنے کی صورت میں کیا سزا مقرر کی گئی ہے کیونکہ معاشروں کے قیام کے لیے ایسا نظام وضع کرنا از حد ضروری ہے تاکہ سماج کے تارو پود جڑے رہیں اور اجتماعی مفاد مقدم رہے، پھر چاہے سماج کا تعلق افریقی دور دراز ممالک سے ہو یا مغربی طرز زندگی سے۔

قانونی نظام کا عملی اطلاق مفاد عامہ سے منسلک معاملہ ہے جس سے صرف نظر کہیں بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہیں بھی اس حوالے سے سستی نہیں برتی جا سکتی کیونکہ اس سے سبھی افراد کی بھلائی جڑی ہوئی ہے، نظام قائم رہے گا تو ہی سماج قائم رہے گا ورنہ ویسا تو حشر کا سماں شائد جنگل میں بھی برپا نہ ہو جیسا انسانی معاشرے میں ہو گا کیونکہ سبھی قوانین سے خود کو آزاد تصور کریں گے، جس کے جی میں جو آئے وہی کرتا پھرے لہٰذا مذکورہ بالا تمہید سے واضح ہوا کہ معاشرے باہمی بندھن سے بنتے ہیں، آپس کے اتحاد واتفاق سے مل کر چلتے ہیں اور اسی میں ہی بقائے باہمی ہے، سبھی کا چار ناچار آپس میں ناطہ جڑا ہوا ہے، کوئی کسی بھی معاملے سے خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا، پھر چاہے اس کا تعلق معاشی سرگرمیوں سے ہو یا دفاعی معاملات سے۔ جونہی ایکدسرے کا احساس ختم ہو گا معاشرے کا وجود بکھر جائے گا جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا

فرد قائم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں۔ موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں[20]

لہٰذا سماج کی بقا دریا کے اندر ہے لیکن یہ رجحان غالب ہوتا دیکھائی دیتا ہے کہ افراد ایکدوسرے سے لاتعلق ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر کسی ایک کے ساتھ ظلم وناانصافی ہو رہی ہے تو دیکھنے والے خود کو ایک طرف کرلیں گے تاکہ وہ اُس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں جس سے متاثرہ فرد نبرد آزما ہے تاکہ دیگر جھنجھٹ سے جان چھوٹی رہے۔ کوئی تکلیف میں مبتلا ہے تو اسے پڑا رہنے دیں کیونکہ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے مجھے ان کی مدد کرنے کی ضرورت نہیں۔ لاتعلقی کا ایسا رجحان عصر حاضر میں غالب ہوتا جا رہا ہے جس سے معاشرے میں نفرت وعداوت، بغض وحسد اور کینہ پروری عام

20. Iqbāl, ‘Allāma, *Bāng-e-Darā* (Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons Publisher, 1977), 190.

ہوتی جارہی ہے کیونکہ لوگوں نے مفادات سے بالاتر ہو کر صرف انسانیت کے ناطے آپس میں گفتگو کرنے سے گریز کرنا شروع کر دیا ہے جس سے آپس کی دوریاں بڑھتی جارہی ہیں، ڈپریشن ہر فرد وگھر کی بیماری بن چکی ہے، لوگ موبائل پر گھنٹوں مصروف رہیں گے لیکن آپس میں بات وچیت کرنے کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جس سے نفسیاتی عوارض جنم لے رہے ہیں اور میدانوں میں رش کم اور ہسپتالوں میں بڑھتا جارہا ہے لہذا مختصراً کہا جائے تو ایک دوسرے کا احساس ختم ہو گیا ہے اور افسوس صد افسوس کہ اس بات کا احساس بھی نہیں ہو رہا کیونکہ

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا۔ کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا[21]

لہذا! ملکی سطح پر قوانین کے اطلاق میں یہ بھی ایک گھمبیر مسلہ ہو سکتا ہے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں فکر مند نہیں ہیں۔ کوئی جرم کر رہا ہے تو بھی لا تعلق ہیں اور کسی پر ظلم ہو رہا ہے تو بھی وہی رویہ اپنائے ہوئے ہیں، اس میں دیگر بھی کئی عوامل شامل ہیں جیسا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طرف سے ناروا سلوک، معاشرے میں اثرو رسوخ رکھنے والوں کا انتقامی رویہ و دیگر لیکن جرائم کے بڑھنے میں ایک یہ عنصر بھی شامل ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے لا تعلق ہوتے جارہے ہیں جبکہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ

انصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا"، قَالُوا :يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَذَا نَنْصُرُهُ مَظْلُومًا، فَكَيْفَ نَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ ! قَالَ" :تَأْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ[22]

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ جب وہ مظلوم ہو تو ہم اس کی مدد کرتے ہیں لیکن جب وہ ظالم ہو تو ہم اس کی مدد کیسے کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کے ہاتھ پکڑو (تاکہ وہ ظلم نہ کر سکے)۔

یعنی ظالم کو ظلم سے روکنا بھی اس کی مدد ہے۔ معاشرے کو چاہیے کہ ظلم کے خلاف آواز بلند کرے، چاہے وہ کسی بااثر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

۷۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں سے عدم تعاون

عوام اور انتظامیہ کا باہمی گٹھ جوڑ گنجلک سے بھی گنجلک مسائل تھوڑی کدوکاوش سے جلد یا بدیر حل کرنے میں کارگر ثابت ہوا ہے۔ ایسا ممکن نہیں کہ صرف عوام ہی کسی مسئلے کو حل کرنے کی ڈھان لے اور پھر اسے احسن انداز میں حل کیا بھی ہو کہ جب کہ ملکی وسائل کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر نہ کھڑے ہو جائیں اور اس کے برعکس معاملہ بھی عام فہم نہیں کہ صرف انتظامیہ نے جو اقدام عوامی پشت پناہی کے بغیر اٹھائے ہوں اور پایہ تکمیل تک پہنچے ہوں، دونوں طرف کا درست و بروقت باہمی تعاون ہی کسی معاملے کو منطقی انجام تک پہنچانے میں کارگر ثابت ہوتا ہے اور اسی کے ذریعے سماجی مسائل میں کمی لائی جاسکتی ہے کیونکہ جیسے انتظامیہ! عوام کی محافظ ہوتی ہے ویسے ہی عوام بھی انتظامیہ کی آنکھ اور کان ہوتی ہے جس کے ذریعے ہر خبر متعلقہ اداروں تک ہمہ وقت پہنچتی رہتی ہے۔

لہذا! معاشرے کا وجود تبھی کامل ہو سکتا ہے جس اُس کے سارے اعضا تندرست اور چوکس ہوں اور باہم مل کر افعال سرانجام دے رہے ہوں لیکن یہاں کے سماج کا ہوا آدم ہی نرالہ ہے کہ ایک طرف جہاں قانون نافذ کرنے والوں سے لوگ خار کھاتے ہیں تو دوسری طرف فریق مخالف کے ساتھ سابقہ سلوک دیکھ کر عوام بھی تائب ہو جاتی ہے کہ خاموش رہ لیں گے لیکن کسی حکومتی ادارے کے ساتھ معلوماتی تعاون نہیں کریں گے، دونوں اطراف میں اصلاح احوال کی ضرورت درپیش ہے تاکہ رابطے کا فقدان ختم ہو سکے اور دو قالب یک جان ہو کر جرائم کی بیخ کنی کے لیے اجتماعی کوشش بروئے کار لائی جاسکے تبھی معاشرہ، اصلاحی معاشرہ بننے کی راہ پر گامزن ہو گا اور فلاحی ریاست کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے گا کیونکہ اسلامی تعلیمات میں بھی رہنمائی ملتی ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪-وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ[23]

---

[21] . Iqbāl, ʻAllāma, *Bāng-e-Darā* , 190.
[22] Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl, *Al-Jāmiʿ al-Bukhārī* (Al-Qāhira: Dār al-Taʾṣīl, 2012), fī al-maẓālim wa'l-ghaṣb, 3:380, ḥadīth 2455.
[23] . Al-Māʾida, 5:2.

اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو

لہذا ہر باشعور شہری کی بنیادی ذمہ داری بنتی ہے کہ انتظامیہ کے ساتھ تعاون کرے تاکہ جرائم کی روک تھام ممکن ہو۔

پاکستان میں سماجی سطح پر قانون کے نفاذ میں درپیش رکاوٹیں جہالت، فرسودہ روایتوں اور ادارہ جاتی کمزوریوں کی پیداوار ہیں۔ مگر اسلامی تعلیمات ہمیں ایسا فطری، اخلاقی اور قابلِ عمل حل فراہم کرتی ہیں جس کے ذریعے ہم ایک ایسا معاشرہ قائم کرسکتے ہیں جہاں قانون محض کاغذ پر نہیں بلکہ عملی طور پر نافذ ہو۔ اسلامی اصولوں کو اپنا کر ہم ایک منصفانہ، پرامن اور باوقار معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

مبحث سوم: قوانین کے نفاذ میں سیاسی سطح پر درپیش مسائل اور ان کا تدارک

کسی بھی ملک میں قوانین کے مؤثر نفاذ کے لیے ایک مضبوط سیاسی نظام ضروری ہوتا ہے۔ پاکستان میں سیاسی سطح پر کئی چیلنجز نے عدل وانصاف کے نفاذ میں رکاوٹیں پیدا کی ہیں۔ یہ مسائل بدعنوانی، احتساب کی کمی، سیاسی مداخلت اور ادارہ جاتی کمزوریوں کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔ اسلام عدل، دیانت اور ذمہ داری کو فروغ دیتا ہے اور ان مسائل کا حل فراہم کرتا ہے تاکہ حکومت کا نظام بہتر اور شفاف ہو سکے۔

۱۔ سیکورٹی اداروں میں سیاسی مداخلت

ملکی ادارے نظام مملکت کو چلانے کے لیے تشکیل دیے جاتے ہیں اور سابقہ ادارے ہوں یا بقدر ضرورت نئے اداروں کی بنیاد رکھی جائے، سبھی کے پسِ منظر میں ملکی مفادات اور وقت کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھ کر ہی اقدامات اٹھائے جاتے ہیں تاکہ اس ریاست کی حدود میں رہنے والوں کے حقوق اور اُن کی ضروریات کے عین مطابق سہولیات کا انتظام کیا جاسکے اور بہتر صورت میں اس کی رسائی میں وسائل کو لایا جاسکے۔ تمام اداروں کا متفقہ مفاد ملک کی فلاح واصلاح اور عوام کی بھلائی جیسے مفادات کو مقدم رکھنا ہے نہ کہ اِن عوامل سے ہٹ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جائے یا کسی دوسرے ملک کے شہری کے لیے تو سہولیات کا کامل انتظام کیا جائے اور مقامی افراد سے صرف نظر کرلی جائے۔ نہ ایسا کسی ریاست میں ہوتا ہے اور نہ ہی کسی ملک نے اس طرح کے اقدامات کرنے کی آئین میں شقیں رکھیں ہیں اور نہ ہی یہ اقدام کسی بھی طرح مقامی شہریوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔

لہذا جب ساری بحث سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ادارے ملکی نظام کو بہتر انداز میں رواں رکھنے کے لیے بنائے جاتے ہیں اور عوام کی سہولت کے لیے بنائے جاتے ہیں تو پھر ان مذکورہ بالا اداروں کی ایکدوسرے کے ساتھ چپقلس اور باہمی مداخلت کا نہ تو جواز بنتا ہے اور ہی کسی ادارے کو آئین و قانون کے لحاظ سے اجازت ہے اور نہ ہی اخلاقی و قانونی نقطہ نظر سے ایسا کیا جانا چاہیے۔ پس واضح ہوا کہ جہاں ادارے ایک دوسرے کے ساتھ ڈبھیڑ میں مصروف ہوں گے وہاں ملکی یا عوامی مفادات کو کسی بھی سطح پر اہمیت وفوقیت نہیں دی جائے گی لہذا قانون کے بہتر نفاذ کے لیے آئینی حدود کی پابندی سبھی اداروں کو کرنی چاہیے اور اگر کہیں ایکدوسرے ادارے کی مدد کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کا مجوزہ راستہ آئین میں درج کیا گیا ہے جس کے مطابق باہمی تعاون کی روایات کو منظم ومرتب کیا جاسکتا ہے تاکہ باہمی احترام وانسیت کا تعلق بھی قائم رہے اور سبھی متعین حدود میں رہتے ہوئے فرائضِ منصبی انجام دیں جبکہ ان کے حوالے سے شریعت اسلامیہ کا فرمان عالیشان ہے کہ

وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ[24]

اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔

لہذا اداروں کو باہمی مشاورت کے رواج کو پروان چڑھانا چاہیے اور ہر لحاظ سے مشارتی عمل کے ذریعے طے کئے گئے اصول وضوابط کی پابندی کرنی چاہیے تاکہ سبھی کے لیے یکساں نظم ونسق کارآمد رہے اور مستقبل کے بارے میں بھیانک خدشات کا قلع قمع کیا جاسکے۔

۲۔ بدعنوانی اور جانبداری

بدعنوانی، جھوٹ، دھوکہ دہی اور چغل خوری سماجی معاملات کا غالب حصہ بنتی جارہی ہیں اور جب یہ عوامل کسی بھی معاشرے میں جڑوں تک سرایت کرجائیں تو وہاں شفافیت کا درآنا خاصا دشوار گزار مرحلہ ہوتا ہے کہ لوگ اب رشوت کے بغیر کسی بھی معاملے کو حل کرنے کی طرف

24 . Āl ʻImrān, 3:159.

آسانی سے راغب ہی نہیں ہوتے اور نہ انہیں اس میں کوئی بھلائی کار فرما نظر آتی ہے جبکہ اپنی روزمرہ زندگی کی ضروریات کو وہ اُس ڈگر پر چلا رہے ہوتے ہیں جس سے ہٹ کر چلنے میں خسارہ ہی خسارہ دیکھائی دیتا ہے لہذا، کرپشن عمومی طور پر تمام برائیوں و بیماریوں کی جڑ گردانی جاسکتی ہے جس کے ہوتے ہوئے معاشرتی وجود کبھی بھی تندرست و توانا نہیں ہو سکتا۔

اور اسی بات سے جڑا ہوا دوسرا پہلو کہ جہاں غیر اخلاقی و ایمانی روایات پروان چڑھنے لگیں وہیں جانب داری کا رجحان بھی ساتھ ساتھ نمو پانے لگتا ہے کہ سفارش کلچر بھی اسی کا لازمی حصہ ہوتا ہے جس کے ذریعے ذاتی مفادات و مقاصد بآسانی حاصل کیے جانے لگتے ہیں اور میرٹ کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے کہ یہ کار، کاربیکار است۔ اسی جانب داری کا کمال ہے کہ چند روپوں کی خاطر شہریوں کے جائز حقوق غصب کر کے اُن لوگوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں جو اُن کے سرے سے اہل ہی نہیں ہوتے اور یہیں سے امانتیں، اہل امانت کے سپرد نہ کرنے کا رواج بڑھنے لگتا ہے جو ایک نہ ایک دن پوری قوم کو تباہی کے دھانے لا کھڑا کرتا ہے کہ جس سے بچنے کا کوئی راستہ پھر سجھائی نہیں دیتا کہ سبھی افراد معاشرہ، اسی طے کردہ ڈگر کو ہی حتمی جان کر چلے جا رہے ہوتے ہیں اور غصب حقوق کے سبب معاشرے میں جو ناہمواری جنم لے چکی ہوتی ہے وہ کھائی میں گرنے کے اسباب پیدا کرتی جا رہی ہوتی ہے اور جس کا انجام بلآخر وہی ہے جس کا ذکر سابقہ الفاظ میں کیا گیا ہے لہذا جہاں امانتیں، اہل لوگوں کے سپرد کرنے کا حکم شریعت اسلامیہ دیتی ہے جیسا کہ

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا[25]

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کرو

وہیں شفافیت کو بڑھاوا دینا بھی قومی و ملکی فریضہ ہے تا کہ امانت و دیانت اور کا بول بالا ہونے کے باعث خیر و برکت کا ماحول بنا رہے اور ملکی سطح پر خیر و بھلائی کا عنصر غالب دیکھائی دے اور معاملاتِ زندگی درست سمت میں جاری و ساری رہیں۔

۳۔ بروقت احتساب کا فقدان

عدل و انصاف اور جواب دہی کا عمل کسی بھی سماج میں ریڑھ کی ہڈی جیسی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اگر شہریوں کے ذہنوں میں درست اعمال کی جزا اور آئین و قانون کے بر خلاف سر انجام دینے کی سخت سزا کا تصور راسخ نہیں ہو گا تو ریاست کبھی بھی اپنے امور کو احسن انداز میں مکمل نہیں کر پائے گی کہ اُن امور کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے اجزا ہی سرے سے غائب کر دیے گیے ہیں اور جواب دہی کا یا سخت پکڑ کا خوف کسی کے بھی قول و فعل سے دیکھائی نہیں دیتا، پھر معاملات میں بگاڑ کا پیدا ہونا ایک فطری عمل لگنے لگتا ہے کہ معاشرہ میں احتساب کا چلن ہی ختم کر دیا گیا ہے لہذا قانون کے عملی نفاذ میں یہ پہلو بھی ایک خاص اہمیت کا حامل ہے کہ احتساب کے عمل کو یقینی بنایا جائے اور جزا و سزا کا ایک عمدہ نظام وضع کیا جائے اور عملی طور پر اس کا نفاذ نظر بھی آئے تا کہ لوگوں کو کسی بھی وقت قانون کی گرفت میں آنے کا خوف لاحق ہو اور وہ غلط اقدام اٹھانے سے قبل متعدد بار سزا کے بارے میں سوچیں اور محتاط رہنے کا رویہ اجتماعی طور پر اپنائیں تبھی سماج میں سدھار پیدا ہونے کے اسباب دیکھائی دینے لگیں گے ورنہ قانون کا اطلاق ایک خواب ہی بن کر رہ جائے جو کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا کیونکہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ[26] آگاہ ہو جاؤ! کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہو گی۔

لہذا سیاسی و سماجی رہنماؤں کو اس پر خود بھی کاربند رہنا چاہیے اور دوسروں کو پابند بنانا چاہیے کہ شفاف طریقے سے احتساب کے عمل سے گزر کر ہی امور مملکت سر انجام دیے جائیں تا کہ شفافیت پروان چڑھے اور راہ راست سے ہٹ کر چلنے والوں کو درست سزا کا بھی خوف لاحق رہے۔

۴۔ بدعنوانی کے خلاف قوانین کا کمزور نفاذ

ملکی انتظامات کو احسن انداز میں چلانے کے لیے ادارہ جات کو قائم کیا جاتا ہے تا کہ انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کی طرف سے جاری کردہ احکامات کی رُو سے جہاں کہیں بھی خلاف قوانین کوئی عمل سرزد ہو، ملزم کو قانون کی گرفت میں لایا جاسکے اور الزام ثابت ہونے کے بعد قرار واقعی سزا دی جاسکے لیکن مذکورہ بالا جہات کو پیش نظر رکھ کر دیکھا جائے تو یہاں بھی خامی نظر آتی ہے کہ کبھی ادارے کسی مصلحت کا شکار ہو جاتے ہیں اور کبھی

---

[25] . Al-Nisāʾ, 4:58.

[26]. Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl, ***Al-Jāmiʿ al-Bukhārī***, kitāb al-ʻIlm, 6:239, ḥadīth 7138.

فریق مخالف سمجھوتہ کرنے کے لیے سرتوڑ کوششیں کرنے لگتے ہیں جبکہ کچھ جرائم کا تعلق فرد یا کچھ افراد کے مابین ہوتا ہے جہاں پر سزا کا دیا جانا یا سمجھوتہ کرنے کی صورت میں معاف کر دینا، معاشرے کی اجتماعیت پر بُرے اثرات نہیں ڈالتا مگر کچھ جرائم اپنی نوعیت میں معمولی لگتے ہیں لیکن اُن کے اثرات سماج پر دیر پا رہتے ہیں اور لوگوں کو یاد دہانی کرواتے رہتے ہیں کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی گرفت کمزور ہے یا اُن کے پاس مجوزہ اختیارات نہیں یا انہوں نے کسی مصلحت کے تحت، اُس جرم کے خلاف ردعمل ظاہر نہیں کیا اور کبھی کبھار ان تمام پہلوؤں کے چشم دید گواہ بھی ہوتے ہیں جو دبے لفظوں میں ملکی اداروں کی ساکھ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں جو آہستہ آہستہ رائے عامہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور عوم کا ایک خود ساختہ رجحان بن جاتا ہے کہ اداروں کا اہم مقصد صرف ایک مخصوص طبقے کی خواہشات کو پورا کرنا اور اُن کی توقعات و ترجیحات کو حقیقت کا روپ دینا ہے جس کے لیے وہ کسی بھی اصول وضوابط کے کاربند نہیں اور نہ ہی کوئی اُن سے پوچھ گچھ کرنے والا ہے جبکہ حقیقت میں قانون کی دھجیاں بکھیرنا انہی کا اوّلین وطیرہ ہے۔ مختصراً کہا جائے کہ قانون کے نفاذ میں مصلحتوں کا درآنا عوامی نقطہ نظر سے درست طرزِ استدلال نہیں۔

جب جرم سرزد ہوا ہے اور سماجی سطح پر اس کے منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں تو مجرم کو سزا دلوانا اداروں کا بنیادی فرض ہے اور پھر اس مجرم کو دوسروں کے لیے مثال بنانا ہی سماج کی اصلاح کی طرف پہلا قدم کہلا سکتا ہے نہ کہ صرف کاغذوں میں عدل ہوتا نظر آئے جبکہ زمینی حقائق اس کے برعکس دیکھائی دیں اور لوگوں کو یقین کامل ہو جائے کہ مجرم، جرم کرنے کے بعد، پہلے کی نسبت زیادہ محفوظ ہو گیا ہے کیونکہ اب وہ قانون کی گرفت میں ہے اور قانون میں موجود خامیوں کی فائدہ اٹھاتے ہوئے بالیقین بری ہو جائے گا اور متاثرہ فریق سر چھپاتا پھرے گا کیونکہ پہلے جو نقصانہ اس کا ہوا وہ ہو چکا، اب مقدمہ دائر کرنے کے بعد اُس کی جان کو بھی خطرات لاحق ہو چکے ہیں تو خدشات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتا اور جہاں پر قانون و قانون نافذ کرنے والے اداروں کے خلاف اس قدر وسیع خلیج موجود ہو وہاں عملی نفاذ ایک سراب ہی ہو سکتا ہے و دور سے دیکھنے والوں کو فرحت بخش سکتا ہے۔

لیکن جیسے ہی قریب آئیں حقیقت آشکار ہو جاتی ہیں یا جو جانتے ہیں کہ وہ سراب، نظر کا دھوکہ ہے وہ کبھی اسے حقیقت سمجھنے کی فاش غلطی نہیں کرتے اور خود کے متعین کردہ کار میں محدود رہتے ہیں اور اُن الجھنوں میں نہیں پھنستے جو مختلف اوقات میں مقامی، صوبائی یا ملکی سطح پر پُرکشش بنا کر قانون کی بالادستی قائم کرنے جیسے دعوؤں کو سیاسی یا ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر، عوامی مقامات پر باآواز بلند دوہراتے نظر آتے ہیں کیونکہ انہیں بخوبی علم ہے کہ یہ سب حقیقت کا روپ نہیں دھار سکتے، یہ صرف عارضی طفلِ تسلیاں ہیں جن سے خود کو بہلایا جا سکتا ہے، امید و توقعات کا محل کھڑا نہیں کیا جا سکتا لہذا! کنارہ کشی اختیار کرنا ہی مفاد عامہ کے لحاظ سے بہترین حکمتِ عملی ہے اور اس طرح وہ خود کی ذات کو قانون، قانون نافذ کرنے والے اداروں، جرم اور مجرمین سے لاتعلق کر لیتے ہیں اور سکون سے زندگی بسر کرنے کو ہی ترجیح دیتے ہیں جس کے سبب معاشرتی سطح پر ایک بے حسی کا ماحول پروان چڑھنے لگتا ہے جو سماج کو تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کرنے کے لیے کافی ثابت ہوتا ہے لہذا اسلامی تعلیمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ اسلام بدعنوانی کو بڑا گناہ قرار دیتا ہے اور فرمان باری تعالیٰ ہے کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ[27]

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ۔

پس واضح ہوا کہ اسلامی اخلاقیات اور حدود کو نافذ کیا جائے تاکہ بدعنوانی کا خاتمہ ممکن ہو۔

۵۔ سکیورٹی اداروں پر عائد فرائض وذمہ داریوں میں عدم توازن

پولیس اور دیگر سکیورٹی ادارے قائم کرنے کا بنیادی مقصد شہریوں کی جان ومال کی حفاظت کرنا اور ملکی انتظامات کو درپیش مسائل کا قلع قمع کرنے میں انتظامیہ کو معاونت فراہم کرنا جیسے اہم عوامل شامل ہیں۔ ان اداروں نے کبھی عوامی احتجاج کا سامنا کیا ہے جو مختلف مقاصد کے پیش نظر آئے روز کا معمول بن چکے ہیں اور کبھی دہشگردی سے جڑے عناصر کی سرکوبی کے لیے جان کی قربانیاں دینی پڑی ہیں۔ دونوں لحاظ سے سکیورٹی اداروں

---

[27] . Al-Nisāʾ, 4:29.

کی کاوشیں اور قربانیاں بے مثل و بے مثال ہیں، کئی ماؤں نے اپنے کلیجے کے ٹکڑے کھو دیے اور کئی عورتیں بیوہ ہوئیں اور لاتعداد بچے یتیمی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جس بھی پہلو سے ان اداروں کی کارکردگی کو جانچنے کا طرزِ عمل اختیار کیا جائے، ایثار کا عمل سب پہ بھاری نظر آتا ہے اور دل و آنکھیں عقیدت و محبت سے جھکی چلی جاتی ہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ ایک اور پہلو بھی توجہ طلب ہے کہ جب اداروں کی ذمہ داریاں اسقدر پہلے ہی سخت اور آزمائشوں میں مبتلا دیکھائی دیتی ہیں پھر ان اداروں کو مختلف طریقوں سے داغدار کرنے کی کوششیں کیوں بروئے کار لائی جاتی ہیں؟ کبھی کسی سیاسی مفاد کے حصول کے لیے انہیں بیچ میں لایا جاتا ہے، کبھی کسی اثر و رسوخ کو دیکھانے کے لیے اس کا سہارا لیا جاتا ہے اور کبھی قانون میں موجود خامیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، انہی اداروں کو مجرموں کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ دی جاتی ہے حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان اداروں کو آزادی سے اپنے فرائض کو نبھانے دیا جاتا اور ملزم و مجرم کا فیصلہ عدالت کے سپرد ہوتا اور پھر فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اُن کے سپرد کر دیا جاتا تاکہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ایک فرد اگر مجرم ثابت نہیں ہوا تو بَری ہو جائے اور معاملہ اس کے برعکس ثابت ہو چکا تو سزا کے لیے متعلقہ ادارے کے حوالے کیا جائے جبکہ حقائق کچھ اور ہی واضح کرتے ہیں کہ اول ملزم کا گرفتار ہونا خاصا مشکل دیکھائی دیتا ہے اور کسی طرح اسے قانونی شکنجے میں لایا جائے تو دیگر ذرائع سے ضمانت حاصل کر کے دوبارہ جرائم میں مشغول ہو جاتے ہیں اور سکیورٹی ادارے دوبارہ سے اس کی تلاش میں مصروف ہو جاتے ہیں لہذا جو اہداف و مقاصد متعین کیے گیے تھے، وہ بمشکل ہی حاصل کیے جاتے ہیں جبکہ دیگر ذرائع سے انہیں انگیج رکھا جاتا ہے جو کہ عوامی سطح پر ان اداروں کی ساکھ کو خاصا متاثر کر چکا ہے۔

بلا تردد و شک ان اداروں میں ایسی کالی بھیڑیں بھی ہیں جو وردی و اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہیں اور ان سے ذاتی مفادات حاصل کرتے ہیں لیکن دیکھا جائے تو کسی حد تک وہ افراد اُن افعال کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور کہیں کہیں شہریوں کی غلطی بھی عیاں ہوتی ہے کہ عوام خود بھی ایسے غیر قانونی عوامل کو ہلہ شیری دیتی ہے اور کچھ پڑھے لکھے لوگ مزید الجھنوں سے بچتے ہوئے خود کو محدود کر لیتے ہیں تاکہ مزید پریشانیوں سے بچا جا سکے۔ کسی حد تک اُن کے خدشات بھی درست ثابت ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی اُن قانون کے رکھوالوں کے بارے میں متعلقہ فورم پر شکایت درج کروانے سے بھی مسائل کا حل نکل آتا ہے جبکہ سیاسی افراد کی طرف سے مکمل حمایت حاصل ہو جائے اور قانون کا اطلاق پہلی ترجیح بن جائے تو پھر ان بھیڑوں کو بھی دائرہ میں محدود رکھا جا سکتا ہے جس کے لیے کسی نہ کسی کو ذمہ داری اٹھانی پڑے گی۔

خلاصہ بحث

پاکستان میں سیاسی سطح پر درپیش چیلنجز قانون کے نفاذ کو بری طرح متاثر کرتے ہیں جس سے عدل، استحکام اور عوام کا اعتماد مجروح ہوتا ہے۔ یہ مسائل بدعنوانی، مداخلت اور احتساب کی کمی پر مبنی ہیں۔ تاہم، اسلامی اصولوں کے تحت ان مسائل کو مؤثر طریقے سے حل کیا جا سکتا ہے۔ انصاف، دیانتداری اور شفافیت کو سیاست کا حصہ بنا کر پاکستان ایک ایسا نظام قائم کر سکتا ہے جہاں قانون کی حکمرانی ہو، رہنما جوابدہ ہوں اور عوام کو انصاف ملے۔ اسلامی رہنمائی پر عمل کرنا نہ صرف ایک اخلاقی ذمہ داری بلکہ پائیدار حکمرانی کے لیے عملی ضرورت ہے۔ قوانین کسی بھی معاشرے کی ترقی اور امن و انصاف کے قیام کے لیے ناگزیر ہوتے ہیں اور پاکستان میں قوانین موجود ہیں، مگر ان کے مؤثر نفاذ میں کئی رکاوٹیں حائل ہیں۔ ان رکاوٹوں کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں حل کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو عدل، مساوات اور دیانت داری پر زور دیتا ہے لہذا اس کے مطابق مسائل کو حل کرنے حتی الوسع کوشش کی جانی چاہیے تاکہ معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکے اور شہری سکون کی زندگی گزار سکیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Bibliography / کتابیات

* Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl, *Al-Jāmiʿ al-Bukhārī*,Miṣr: Al-Sulṭāniyya bil-Maṭbaʻa al-Kubrā al-Amīriyya, 1311 AH
* Muḥammad ibn ʻAbdullāh, *Mishkāt al-Maṣābīḥ* ,Bayrūt: Al-Maktab al-Islāmī, 1980
* Abū ʻAbd al-Raḥmān al-Nasāʾī, *Sunan al-Nasāʾī* ,n.p.: Dār al-Risāla al-ʻĀlamiyya, 2018.

* Muḥammad ibn ʻĪsā al-Tirmidhī, *Sunan al-Tirmidhī* , Miṣr: Sharikat Maktaba wa-Maṭbaʻa Muṣṭafā al-Bābī al-Ḥalabī, 1975.
* Muḥammad Nāṣir al-Dīn al-Albānī, *Ṣaḥīḥ al-Targhīb wa'l-Tarhīb*, Al-Riyāḍ: Maktabat al-Maʻārif lil-Nashr wa'l-Tawzīʻ, 2000.
* Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl, *Al-Jāmiʻ al-Bukhārī* , ʻIṭāʻat al-ʻIlm: Musūʻa Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, 1437 AH.
* Iqbāl, ʻAllāma, *Bāng-e-Darā* **,** Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons Publisher, 1977
* Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl, *Al-Jāmiʻ al-Bukhārī* ,Al-Qāhira: Dār al-Taʾṣīl, 2012.